حصے سے حاملین عرش بنائے اور دوسرے حصے سے کرسی بنائی اور تیسرے حصے سے باقی تمام فرشتے بنائے اور چوتھے حصے سے نورِ بصیرت اور نورِ معرفت اور نورِ توحید بنائے۔ (بحوالہ مواہب لدنیہ)

"اب جن نفوسِ قدسیہ کو نورِ بصیرت اور نورِ معرفت اور نورِ توحید کا کوئی حصہ عطا ہوا ہے وہ نورِ محمدی کا جز اور حصہ ہے جو ہمیشہ اپنے کل اور اصل کی جانب مائل اور مشتاق رہتا ہے اور یہ شوق و اشتیاق اس وقت تک کم نہیں ہو سکتا جب تک کہ نورِ محمدی کے ساتھ وصال نصیب نہ ہو جائے"

اتنی اچھی اور جذباتِ محبت و شوق میں ڈوبی ہوئی کتاب میں اگر کہیں کہیں ترتیب کی کچھ خامیاں نظر آئی ہیں تو وہ بے شبہ نظر انداز کر دینے کے لائق ہیں۔

فضائل و مناقب اور ترغیب و ترہیب کے باب میں چونکہ ہمارے علماء نے ایک ایسا اصول وضع کر دیا ہے جس کے تسلیم کر لینے کے بعد کمزور اور ضعیف احادیث و آثار سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے اس لئے اگر مولف نے خال خال اس اصول کی پیروی کی ہے تو اس میں ان کو معذور سمجھنا چاہیے (ع)

موجِ کوثر از جناب محمد اکرام صاحب ایم۔ اے تقطیع متوسط ضخامت ۔ ۴۴۰ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت درج نہیں۔ پتہ:۔ اردو بکسٹال ۔ بیرون لاہوری دروازہ لاہور

جناب محمد اکرام صاحب۔ اردو زبان کے ان سنجیدہ ارباب قلم میں ہیں جو جو کچھ لکھتے ہیں کافی مطالعہ اور غور و فکر کے بعد متانت و سنجیدگی کے ساتھ لکھتے ہیں موصوف چند سال سے ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی اور علمی تاریخ قلمبند کر رہے ہیں اس سلسلہ کی دو کتابیں "چشمۂ کوثر" اور "رودِ کوثر" وہ پہلے شائع کر چکے ہیں جن میں انیسویں صدی سے پہلے تک کی تاریخ قلمبند کی تھی، اب انھوں نے تیسری کتاب شائع کی ہے جو اس وقت زیر تبصرہ ہے اس میں انیسویں صدی کے آغاز سے لے کر زمانہ حال تک کی تاریخ لکھی ہے، چنانچہ حضرت سید احمد صاحب بریلوی اور آپ کے رفقاء کے کارنامے۔ پھر علی گڈھ۔ دیوبند ندوہ ۔ جامعہ ان سب اداروں اور ان اداروں کی نامور شخصیتوں کے حالات و واقعات تنقیدی پیرایہ میں لکھے ہیں جہاں تک معلومات ان کی ترتیب اور ان پر ایک خاص زاویۂ نگاہ سے تبصرہ و تنقید کا تعلق ہے اس کتاب کی افادیت اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ ظاہر ہے کہ لائق مولف نے

جس دور کی تاریخ لکھی ہے وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی قومی زندگی کا ایک نہایت پرآشوب دور تھا اس دور میں مسلمانوں کی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں تھا جو تیز و تند بادہائے مخالف کے جھونکوں سے متاثر نہ ہوا اس بنا پر ان کی اصلاح کے لئے متعدد ادارے پیدا ہوئے اور انھوں نے مختلف عظیم المرتبت شخصیتوں کی قیادت میں اپنے اپنے مخصوص نقطہ نظر کے ماتحت کام کرنے شروع کئے اگرچہ بنیادی طور پر مقصد سب کا ایک تھا لیکن کام چونکہ مختلف نوعیت کے تھے اور ان کے طریقہائے کار بھی الگ الگ تھے اور پھر ان کارکنوں کے مزاج کی ساخت اور طبیعت کی افتاد بھی جدا جدا تھی اس بنا پر قومی نشاۃ ثانیہ کے اسٹیج پر ان میں باہمی ٹکراؤ اور تصادم ناگزیر تھا۔ چنانچہ وہ ہوا اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آج برصغیر ہندو پاک کے مسلمان مذہبی اور علمی اور ذہنی و دماغی حیثیت سے جس سطح پر ہیں اس کی تعمیر و تاسیس میں کسی ایک کا نہیں بلکہ سب کا ہی حصہ ہے۔ اس بنا پر اس دور کی تاریخ قلمبند کرنا اور ان تمام اداروں اور ان اداروں کی نامور شخصیتوں کی نفسیاتی تحلیل کر کے مشترک اور متضاد عناصر کی قدریں مقرر کرنا ایک وادی پرخار میں قدم رکھنے سے کم نہیں ہے ہمیں اس کا اعتراف ہے کہ محمد اکرام صاحب نے حتی الوسع کانٹوں سے اپنا دامن بچا کر گذر جانے کی کوشش کی ہے اور نکتہ چینی کے ساتھ اعتراف خدمات کر کے غیر جانبداری کی لاج رکھنی چاہی ہے لیکن افسوس ہے کہ پھر بھی وہ بالکل صاف نہیں نکل سکے ہیں علی الخصوص ندوۃ العلماء اور اس کے اکابر وعمائد ان کی تنقید اور اس کا لہجہ بجائے علمی کے ذاتی و شخصی تنقید کا رنگ اختیار کر گیا ہے جس کو کتاب کے موضوع کی مخصوص نوعیت کے اعتبار سے بآسانی نظر انداز کیا جا سکتا تھا یوں تو اس دور کی تاریخ کا ہر ادارہ اور اس ادارہ کی ہر ممتاز شخصیت اس قابل ہے کہ اس پر ایک مستقل کتاب لکھی جائے اور اس بنا پر یہ کتاب مجموعی حیثیت سے تشنہ اور نامکمل ہے تاہم جہاں تک دیوبند کے تذکرہ کا تعلق ہے تو وہ بہت ہی مختصر ہے پھر یہ امر بھی تعجب انگیز ہے کہ انیسویں اور بیسویں صدی میں ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی اصلاح کا تذکرہ اور اس میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی اور مولانا محمد علی صاحب مونگیری کا ذکر تک نہ ہو، ہمیں امید ہے کہ لائق مولف کتاب کے آئندہ اڈیشن میں ان باتوں کا خیال رکھیں گے تاکہ کتاب زیادہ جامع اور ایک خالص علمی کارنامہ ہو۔ (س)